اُردو کا پس منظری مطالعہ

The Study of Urdu's Background

عطارسول (شاگرکنڈان)
ڈاکٹر محمد امتیاز

Abstract

The word "Urdu" is used actually in two meanings. One is literal or verbal meaning i.e. 'Army' (Lashkar) and the second is idiomatic conventional or secondary meaning i.e. 'Language' which is spoken. Therefore in this article explained the both comprehensions videlicet fundamental relations between language (Urdu) and army (Urdu). It must be impressed in the mind that Urdu is the language of heart, and the hearts of the people of "Islamic Jamhoriya Pakistan" are palpitates now, so Inshaallah Urdu will remain as a throb in our hearts till the last day.

Key Words: Urdu, History of Urdu Language, Army

اردو لفظ لغوی اور اصطلاحی معنوں میں لشکر (عساکر) اور زبان بولی جانے والی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔لشکر (عساکر) کے معنوں پر تو تمام محققین اور ماہرین متفق ہیں اور بطور زبان بھی کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن جب اس کے پس منظر کو بیان کرتے ہیں تو بہت سی تعریفات سے واسطہ پڑتا ہے۔اس زبان کی ابتدا کے حوالے سے کئی مفروضے بیان کیے جاتے ہیں۔اس لفظ کی اصل پر کئی انگلیاں اٹھتی ہیں۔

زبان کے حوالے سے قدیم نظریہ دراوڑوں سے اس زبان کے آغاز کا ہے جب کہ معروف نظریات میں عربوں کی آمد سے، سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے ہونے والے اختلاط سے یا مغلوں کے عہد سے اس زبان کا جاری ہونا ہے۔ان میں سے ہر نظریہ اپنی جگہ سچائی کا علم بردار ہے۔ کیونکہ کوئی زبان بھی اختلاط کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔لیکن جب دوسری زبان آکر اس علاقے کی زبان سے ملتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ پہلے والی زبان کی ابتدا بھی اسی طرز پر ہوتی ہے۔اور یہ سلسلہ پیچھے کی طرف چلتے چلتے کسی نقطہ آغاز پر جا رکتا ہے۔گویا کہا جا سکتا ہے کہ زبان کا تعلق دھرتی سے جنم لینے والے الفاظ سے ہے۔ بہر حال اردو زبان میں ہم ماضیِ قریب پر نظر ڈالیں تو اردو لفظ ہمارے ہاں پہلی بار بابر نے اپنی خودنوشت ''تزکِ بابری'' میں استعمال کیا ہے۔ جو لشکر کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔اور شاہجہان کے عہد میں یہ لفظ پہلی بار زبان کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اور یہی وہ ادوار ہیں جب اردو لغوی اور اصطلاحی معنوں کے حوالے سے برصغیر کے لوگوں میں معروف ہوا۔اگرچہ بابر کے ہاں اردو یعنی برِصغیر میں

بولی جانے والی زبان کے کئی الفاظ ملتے ہیں۔لیکن اس سے بہت پہلے ہندی یا ہندوی کے نام سے جب یہ وجود میں آئی تو مسعود سعد سلیمان کو بغیر اس کی کسی مثال کو دیئے محققین اولیت دیتے ہیں۔لیکن بہر حال امیر خسرو جو ایک عسکری تھے نے اپنی بہت سی تحریریں ہندی (اردو) میں چھوڑیں جو آج بھی عوام میں پسندیدہ نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔لہٰذا عسکری زبان کا اس عسکری شخصیت کی اولیت سے کسی بھی اردو زبان و ادب کی تاریخ کے مورخ نے انکار نہیں کیا۔بعدازاں مغلوں نے آ کر اس کو مہمیز لگائی اور یہ زبان آہستہ آہستہ ارتقائی منازل طے کرنے لگی۔

عساکر کی ابتداء اگر چہ میسو پوٹیمیا میں سومیریوں نے کی تھی۔یورپ میں اس کا سلسلہ یونان اور میڈون سے جا ملتا ہے۔جسے پروفیشنل فوج کہا جاتا ہے۔کیونکہ سپاہیوں کو با قاعدہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔اسلام میں فوج کی با قاعدہ بنیاد دوسرے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ نے رکھی۔جنھوں نے با قاعدہ ضابطے اور اصول بنائے۔

جب ہم جدید عساکر کی بات کرتے ہیں تو یورپ میں عثمانیہ حکمران مراد نے اس کو نئے سانچوں میں ڈھالا۔برِصغیر میں عساکر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔جدید عساکر کی ابتدا مغلیہ دور میں ہوئی۔جنھوں نے اسے تین بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا۔یہ تین حصے رسالہ، پیدل فوج اور ہاتھیوں کے دستے تھے۔کیولری یعنی رسالہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں غزنوی،غوری اور سلجوقیوں کی روایت کی تقلید کی گئی ہے۔(۱) لیکن اس بات سے بھی انکار ناممکن ہے کہ بلبن نے منگولوں کے حملوں کو روکنے کے لیے نئی حکمت عملی بنائی تھی اور عسکر کو بھی نئے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی تھی لیکن بہر حال مغلوں نے چونکہ ہندوستان میں آنے کے بعد یہاں ہی ڈیرے جمانے تھے اور ان کے استحکام کا دارومدار فوج پر ہی تھا لہٰذا انھوں نے عساکر کو مضبوط کیا اور نئے اصولوں کے مطابق ترتیب دیا۔

چونکہ مغلوں کے دور کو ہی اردو زبان کے ارتقاء کا دور گردانا جاتا ہے۔اور ان کا پورا حکومتی ڈھانچہ بھی عسکری تھا سو 'لشکر' اور 'زبان' کو یہاں ہی سے ایک ساتھ چلانا ضروری بھی ہے اور مجبوری بھی۔بابر سے پہلے ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال ہو رہا تھا۔بابر کے ہمراہی جو نسلاً ترک تھے اور ترکی بولتے تھے۔ان کے آنے سے ترکی زبان کے الفاظ بھی یہاں کی بولی جانے والی زبانوں میں شامل ہو گئے۔بابر چونکہ خود ایک شاعر اور ادیب تھا۔جس کی دلیل اس کا مختصر دیوان اور سوانح عمری تزکِ بابری آج بھی موجود ہیں۔اب بابر اور اس کے لشکریوں نے ہندوستان کی فضا کو موافق پاتے ہوئے یہاں کی تہذیب کو دل و جان سے اپنایا۔یہاں کی زبان سیکھی اور اس زبان میں ترکی کے الفاظ شامل کر کے اسے ایک نئے راستے پر لگا دیا۔ترکی کے بہت سے الفاظ آج بھی ہمارے روزمرہ کا حصہ ہیں مثلاً بہادر،نوکر، باورچی، جرگہ، چاقو،خنجر،قابو، بابا،خصم، خاتون، خان، پلاؤ،یخنی(۲) حتیٰ کہ خود لفظ اردو وغیرہ۔

بابر نے اردو (ہندی) کی طرف بھر پور توجہ دی۔اسے خود بھی سیکھنے کے جتن کیے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اپنے عمل سے ترغیب دی۔بابر ہندوستان پر تسلط کے بعد صرف چار سال زندہ رہا۔حکومت ابھی اتنی مضبوط نہیں ہوئی

تھی کہ یہ بوجھ ہمایوں کے کندھوں پر آ پڑا۔اس پر ستم یہ ہوا کہ ہمایوں کا گھر کے بھیدی شیر شاہ سوری سے واسطہ پڑا۔ جس نے دس سال کے عرصہ میں لنکا ڈھا دی اور ہمایوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ وہ اگر چہ ادبی ذوق رکھتا تھا۔لیکن اسے وقت نے مہلت نہ دی کہ اس جانب متوجہ ہوتا۔ یہاں تک کہ اکبر کی پیدائش بھی پسپائی کے دوران راستے میں ہوئی۔ شیر شاہ سوری دو سال تک ہمایوں کے پیچھے رہا اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ عدم سے بلاوا آ گیا۔لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اس کے ہمراہی عسکریوں کو کئی مقامات پر قیام کا موقع ملا۔جس سے ان علاقوں کے کچھ الفاظ اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ وہاں شیر شاہ سوری کی فوج نے اپنے کچھ الفاظ بھی چھوڑے جس سے تبدیلی کا تسلسل آگے بڑھا۔ شیر شاہ سوری کے دورِ حکومت میں شیخ عیسیٰ مشوانی کے کچھ اشعار روپ بدلتی زبان میں ملتے ہیں۔ وہ شیر شاہ سوری کے عہد کا سپاہی تھا۔

کلے ازلی جو گیا لکھ
ان کا دن نہ کیجیے دکھ
گھر بیٹھے دے دیسی رام
جو وہ لکھیو تیرے نام
جو تو کرسی اللہ یقین
کامل ہوسی تیرا دین(۳)

نصیر الدین ہمایوں ۱۵۵۰ء میں واپس آیا اور حکومت کے نظم و نسق میں مصروف ہو گیا لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا۔اور اکبر مسندِ حکومت پر کم سنی میں ہی براجمان ہوا۔اکبر مکتبی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہا لیکن زمانے کے مشاہدے اور باطنی مطالعہ نے اسے بہت کچھ سکھا اور پڑھا دیا۔اس نے دربار میں عالم اور فاضل لوگ شامل کیے۔محفلیں اور مجلسیں جمتیں ۔ ہر موضوع پر گفتگو ہوتی۔اکبر کے نورتن آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ حکمت و ادب کی بات ہوتی۔ فارسی اور ہندی کی کتابیں پڑھی جاتیں مہا بھارت اور رامائن کی کتھا کہی جاتی اور امیر حمزہ اور ہری بنس کے قصے چھڑتے ۔ بقول سید فصیح اللہ:

> ''آج سنگھاسن بتیسی کی پتلیاں ناچتیں حکمت کا رنگ چھیڑتیں اور خردافزا سمجھی جاتیں تو کل کلیلہ و دمنہ کے طلسمی حیوان گویا ہوتے چٹکلے لطیفے کہتے اور عیار دانش بنتے۔کبھی لیلا و مجنوں،عربی اور شیریں وخسرو، فارسی بدیسی سمجھ کر محفل سے اٹھائے جاتے اور ان کی جگہ سدیشی نل و دمن لیتے۔ زلیخا کی ملک رانی درو پدی کو ملتی اور زبیدہ کی حرم سرا سیتا جی کے نیگ لگتی۔فیضی مؤدب ہو کر لیلا وتی کا حساب پیش کرتا تو مکمل خان دوزانو ہوتا اور جگ کی ہیئت و شکل بتاتا۔ سرہندی حاجی ابراہیم آداب بجالا کر آرتھر ویدا کی حکمت سناتا اور خان خاناں دعائیں دے کر جوتن سے نیک لگن اور شبھ گھڑی

بتاتا۔''(۴)

اکبر نے ایسے ماحول میں اتنا کچھ حاصل کر لیا کہ راستے سے بھٹک گیا وہ ہندوستان کا پیدائشی باشندہ تھا۔ ہندوستان میں بولی جانے والی زبان اس کی مادری زبان تھی۔ جب کہ باپ کی طرف سے ترکی اور فارسی اسے ورثہ میں ملی تھیں۔لہٰذا دھرتی کی زبان اور اس کے ساتھ باہر سے آنے والی زبانوں کے اختلاط نیز ہندو عورتوں سے اس کے فوجیوں کی شادی اور ہندو معاشرے کے ساتھ ملاپ نے بھی اردو (ہندی) کی صلاحیتوں میں اضافہ کیا۔اس سے اکبر کے خون میں شعروادب سے تعلق جو گردش کر رہا تھا۔وہ بھی لفظوں میں ڈھلنے لگا اور وہ اکبر ساہی کے نام سے خود بھی شعر کہنے لگا۔

جا کر جس ہے جگت میں ،جگت سرا ہے جاہی
تاکو جنم سپھل ہے کہتا ہے اکبر ساہی
پیتھا لاسوں مجلس گئی تان سین سوں راگ
ہنسی و رمی و بولی گیئو بیربر سوں ساتھ(۵)

اکبر کے دربار سے راجہ مان سنگھ اور بیربر جیسے چٹکلے باز بھی منسلک تھے جو نئے نئے چٹکلوں سے جہاں درباریوں کو محظوظ کرتے وہاں اردو زبان میں نئے نئے الفاظ شامل کرنے کا باعث بھی بنتے۔اکبر کے تمام درباریوں کا تعلق عسا کر سے تھا اور وہ کئی کئی جنگوں میں قیادت کر چکے تھے یا حصہ لے چکے تھے۔ان میں عبدالرحیم خان خاناں، فتح اللہ شیرازی، شیخ مبارک، شیخ ابوالفضل، شیخ عبدالقادر، شیخ سلطان،نقیب خان، حاجی ابراہیم اور مکمل خان (۶) جیسے اہلِ سیف وقلم شامل تھے۔اگر چہ دربار کی زبان فارسی تھی اور بہت سے درباری بھی فارسی زبان بولنے والے تھے کیونکہ ہمایوں کے ساتھ جو فوج ایران سے آئی تھی وہ سب فارسی دان تھے۔لیکن مقامی عہدے داروں کے درباروں میں داخلہ سے درباری زبان اور ہندی گڈ مڈ ہو گئی تھیں۔اس عہد میں سرکاری زبان میں بہت سے ہندی کے الفاظ شامل ہوئے۔جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں جو آج بھی ہمارے استعمال میں ہے۔

جھروکہ، درشن، پھول، کٹار، تلوار، ہاتھی، گھوڑا، پالکی، جھالر، کہار، ڈاک، چوکی، پٹواری، رائے، راجہ ،مہاراجہ، چودھری، پہر، دوپہر، گھڑی، گھڑیال، ڈالی، گھاٹ، بیوپاری وغیرہ۔(۷)

اسی دور میں شمالی مغربی علاقہ میں اکبر کے دینِ اکبری کے خلاف پیر روشان کی قیادت میں مسلمانوں نے آواز اٹھائی۔یہ لوگ اگرچہ کسی مملکت کی فوج کا حصہ نہیں تھے۔لیکن اسلام کے مجاہدین بن کر ابھرے اور اکبر کی فوج کو میدانِ جنگ میں دن میں تارے دکھا دیے۔پیر روشان کی اہم تصنیف خیر البیان ہے جس میں چار زبانوں میں، عربی، فارسی، پشتو اور اُردو معانی و مطالب بیان کیے گئے ہیں۔گویا سولہویں صدی میں بھی اردو زبان ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بولی، پڑھی، لکھی اور سمجھی جاتی تھی۔پیر روشان کی تحریر کا نمونہ ملاحظہ ہو:

''اے بایزیدلکھ وہ اکھر جسے سب جیب سہن جڑتھیں۔اس کارن جے نفع پاویں آدمیاں کچ کا۔میں ناہیں جانتاہن قرآن کے اکھر اے سبحان۔اے بایزیدلکھنا اکھر کا تجھے ہے۔دکھلاونا اور سکھلاونا مجھے ہے۔لکھ میرے فرمان سہن ،جیوں اکھر قرآن کے پھن کے پھن۔لکھ اوپر تکنا کے جزم اور نشان، جیو اکھر پچھائن آدمیاں ، لکھ کوئی اکھر چار چار عیاں درحال سکھنے جے پڑھن آدمیاں۔''(۸)

اکبر کی عسکری قوت میں بہرام سقہ بخاری اور عشقی خان عشقی جیسے بہت سے لوگ ایسے تھے جنھوں نے جہاں میدان جنگ میں اپنا خون پیش کیا وہیں اردو زبان وادب کے آغاز میں سیاہی سے ایک نئی تاریخ رقم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اکبر نے اپنی فوج کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا تھا یہ اس کی ترتیب نو تھی جس سے فوج کے نظم کا سلسلہ آگے بڑھا۔ یہ پانچ اقسام منصب داری فوج ،احدی فوج ،داخلی فوج ،مستقل فوج ،اور باجگزار راجاؤں کی افواج تھیں۔ منصب داری میں اکبر نے ۳۳ درجے مقرر کیے تھے۔سب سے چھوٹا منصب ۱۰ سپاہیوں پر کمان اور سب سے بڑا منصب سات ہزار سے اوپر کا تھا جس کے لیے عام طور پر شہزادے مخصوص تھے۔

احدی فوج بادشاہ کے ذاتی محافظ ہوتے تھے۔داخلی فوج میں سرکار کی طرف سے سپاہی بھرتی کیے جاتے جنھیں شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی۔مستقل فوج میں پانچ شعبے تھے۔ پیدل فوج ،توپ خانہ ،گھڑسوار ،بحری جہاز اور جنگی ہاتھی۔(۹) آہستہ آہستہ فوج بھی نئے اور جدید راستوں پر چل رہی تھی اور اردو زبان بھی جدت اختیار کر رہی تھی اکبر اور جہانگیر کی فوج کے ایک جرنیل اور جہانگیر کی پہلی بیوی مان بائی کے بھائی مان سنگھ کے ایک روزنامچے کی جے پور کے کتب خانے میں موجودگی کے بارے میں بنی پرشاد نے اطلاع دی ہے۔(۱۰)

جہانگیر کے عہد میں اردو (ہندی) نے زیادہ فروغ پایا کیونکہ اکبر نے جو معاشرتی اختلاط کے پودے لگائے تھے وہ جوان ہونے لگے۔تزکِ جہانگیری میں شامل بہت سے علاقائی الفاظ اس کا ثبوت ہیں مزید یہ شعر اس سے منسوب ہونا

پیچ ہزاراں کنکاں بھلیاں ، دھنی کھوب گائیں
سور سیکرتی گھوڑ بھلے اور ہشت نگر کے دھائیں(۱۱)

نیز دلی سے کشمیر کی طرف سے سفر کرتے ہوئے ایک سکہ بنوا کر اس پر اردو لفظ کندہ کرانا بھی اس کی اردو دوستی کا ثبوت ہے۔

بادِ رواں تا کہ بود مہر و ماہ
سکۂ اردوئے جہانگیر شاہ

نورالدین محمد جہانگیر کے بعد شہزادہ خرم شہاب الدین محمد شاہ جہاں کے تختِ حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے علم وادب، آرٹ اور موسیقی کی سرپرستی کی۔ اس کے دور میں بہت سی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ تاریخ کی کئی کتب تصنیف ہوئیں۔ نیز اس کے فنونِ لطیفہ سے محبت کی شاہکار اس کی تعمیر کردہ عمارتیں اور باغات آج کئی سو سال گزرنے کے باوجود زمین کی چھاتی پر پُرشکوہ انداز میں سر اٹھا کر کھڑے نظر آتے ہیں۔ شاہ جہان کو زبانِ اردو پر وہی حقِ دعویٰ ہے جو کسی بھی کاریگر کو اپنی صنعت پر ہوا کرتا ہے۔ شاہ جہان آباد کی آبادکاری اور شاہی محلات کی وہاں موجودگی کے باعث فوج کا بھی عمل دخل بڑھ گیا ہے اور فوج چونکہ زیادہ تر مقامی تھی سوان کی اپنی بولیوں نیز حکمرانوں کی زبان کے اختلاط سے ایک نیا رنگ سامنے آیا۔ جسے اردوئے معلیٰ کا نام دیا گیا جو بعد میں صرف اردو رہ گیا۔ اور تب سے اس زبان کے لیے جو قبل اس سے کئی دیگر ناموں سے پکاری جاتی رہی یا جارہی تھی یہ نام رائج ہو گیا لیکن اس زبان اور نام کو رواج دینے میں عساکر کے علاوہ وہاں کی آبادیوں کا بھی اتنا ہی حق ہے۔ کیونکہ شاہ جہان آباد کے وجود میں آنے اور دارالحکومت بننے کے بعد بہت سے لوگ تجارت یا ملازمتوں وغیرہ کی غرض سے دیگر علاقوں سے بھی اٹھ کر یہاں آباد ہوئے تھے لہٰذا یہ رنگ ان کے اختلاط سے ہی وجود میں آیا۔ مولوی عبدالغفور نساخ لکھتے ہیں۔

''شاہ جہان بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ میں شاہ جہان آباد کو آباد کیا اور شہر قدیم کے اندر پت میں تھا معطل ہو کر ملقب بہ شہر وقلعہ کہنہ ہوا۔ شاہ جہاں آباد میں اطراف وجوانبِ عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحبِ استعداد اور قابل لوگ آکر مجتمع ہوئے۔ قدیم ہندی متروک ہونے لگی، محاورے میں فرق ہونے تھا۔ زبان اردو کی ترویج شروع ہوئی تو بھی دکھنی لفظوں کا استعمال رہا اور سبب اس کا یہ تھا کہ جو لوگ ہم رکاب سلاطینِ ممالک دکھن کو جاتے تھے اشعار شعرائے دکھن کے لاتے تھے۔'' (۱۲)

نساخ نے اگر چہ دکھنی کے بہت سے الفاظ کا شاہ جہاں آباد یا دلی میں آنے کا حوالہ تو دے دیا لیکن دکھنی زبان کے اس لہجے یا اس مقام تک پہنچنے والے عوامل کو نظر انداز کر دیا۔ اگر ہم دکھنی زبان کا جائزہ لیں تو اس میں پنجابی زبان کے الفاظ سب سے زیادہ ملیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سلاطینِ دہلی کی فوج میں بھی پنجابی سپاہی زیادہ تھے۔ کیونکہ زیادہ تر حملے شمال مغرب یعنی اسی راستے سے ہوئے۔ سبکتگین اور محمد بن قاسم کو اگر الگ کر دیا جائے اور سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے مطالعہ کریں تو افغانستان کی سرحدوں سے آگے پنجاب ہی ان کی راہ میں پڑتا تھا۔ پہلی حکومتیں بھی پنجاب میں بنیں۔ یہاں کے زیادہ تر لوگ فوج میں بھرتی ہوئے اور وہی فوج جب دلی اور دلی سے دکھن کی طرف گئی تو پنجابی زبان کے اثرات وہاں منتقل ہوئے۔ اردو نام کی بحث کو گراہم بیلے نے The name 'Urdu' کے تحت ان الفاظ میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

" An Important question is the word urdu came to the applied to a language .We have seen that the soldiers in Delhi at a very early date gave up the use of Persian among themselves and

began to speak a modified form of vernacular in Delhi. As the soldiers and the people intermixed and intermarried, the language spread over the city into the suburbs and even into the surrounding district."(۱۳)

شاہ جہان کے دور میں ہی شمال مغربی سرحدی علاقے میں خوشحال خان خٹک کا نام سلطنتِ مغلیہ کے لیے ایک دہشت بن کر گونجا۔ خوشحال خان خٹک (۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء۔۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء) صاحبِ سیف وقلم تھا۔ وہ ایک عالم، فاضل، اور جملہ علومِ متداول کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ساری زندگی میدانِ جنگ میں گزری، اوائل عمری میں وہ مغلوں کے لیے لڑتا رہا اور ان کی فوج کا ایک حصہ رہا اور جب مغلوں سے تعلقات خراب ہو گئے تو ان کے خلاف میدانِ کارزار میں اترا اور نبرد آزما رہا۔ خوشحال خان خٹک اگرچہ پشتو کے شاعر کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ لیکن اس کی شاعری کا اگر بغور مطالعہ کریں تو اس کے دیوان میں بہت سے الفاظ اردو زبان کے ملتے ہیں جیسے۔

یو قدم چہ پہ خلاف و نفس رواں شی
پہ ھغہ زمان ولی ھغہ انسان شی
گلعذارہ، زلفے، مارہ، شہسوارہ، خوش رفتارہ
بادہ نوشہ ، مے فروشہ ، قصب پوشہ مو کر
دل نوازہ ، سر فرازہ ، عشوہ سازہ ، لعبت بازہ
خود پسندہ ، سر بلندہ ، شکر خندہ، لب شکر(۱۴)

یا پھر ریختہ میں لکھے گئے ان کے درج ذیل دو اشعار ملاحظہ ہوں:

پہ سینہ کبن م اودہ مینہ پھر جاگی
زماستا محبت کورہ کیسے لاگی
د رقیب دنیا د یادہ شوہ کہ حہ شود
سپینۂ خولۂ پہ خندہ راکڑہ پھر بھاگی(۱۵)

سندھ میں ان دنوں اردو زبان کس مرحلے میں تھی اس سلسلے میں مورخین اور محققین نے کوئی اطلاع نہیں دی عبدالحکیم اور میر فاضل کا ذکر اس ضمن میں آتا ہے لیکن وہ عسکری نہیں تھے۔ جمیل جالبی نے عہدِ اکبری کے ایک منصب دار سید محمد میر عدل کا ذکر کیا ہے۔ جس کے تین بیٹے ابوالفضل، ابوالقاسم اور ابوالمعانی فوج سے وابستہ تھے اور اردو زبان سے بھی ان کا تعلق تھا لیکن ان کی کوئی تحریر سامنے نہیں آ سکی۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم کے مطابق کسی شاعر نے ان کے کارناموں کو نظم کیا ہے۔(۱۶)

شاہ جہان اپنے بڑے بیٹے داراشکوہ (۲۰ مارچ ۱۶۱۵ء۔ ۲۹ اگست ۱۶۵۹ء) کو ہندوستان کے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا لیکن اس میں سیاست اور جرنیل کی خصوصیات کی کمی تھی۔شاہ جہان کے دوسرے بیٹے شجاع ،اورنگ زیب اور مراد اپنے اپنے صوبوں پر قابض تھے لیکن کوئی بھی دوسرے کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا آپس کی باہمی جنگوں میں اورنگ زیب کو فتح ہوئی۔داراشکوہ تلوار کی جنگ تو ہار گیا لیکن قلم کی جنگ میں سب پر بازی لے گیا۔وہ ایک بلند پایہ عالم اور صوفی تھا۔تصوف اور معرفت کا ذوق بچپن سے اس کی فطرت میں شامل تھا۔۲۵ سال کی عمر میں اس نے سفینۃ الاولیا اور تین سال بعد سکینۃ الاولیا جیسی معرکتہ آلارا کتب تصنیف کیں۔ان کے علاوہ سرالاسرا رسوال وجواب دارا شاہ بالعل داس، نامۂ عرفانی، طریقۃ الحقیقت آپ کی تصانیف ہیں ان کتب کے علاوہ دو ہندی کتب کا ذکر بھی ملتا ہے۔جو'دوہا ستونگرہ'اور'ساسنگرہ' ہیں۔جن کا عہد تصنیف ۱۶۵۳ء کے آس پاس سمجھنا چاہیے۔(۱۷)اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ داراشکوہ جہاں ایک سالار تھا اور جنگوں میں شامل رہا وہاں وہ ایک ادیب کے طور پر بھی پہچان بنانے میں کامیاب رہا اسی طرح ہندی (اردو) میں بھی اس کی تحریریں سامنے آئیں۔ان کی فارسی تصانیف کا مطالعہ کریں تو ان میں بھی بہت سے الفاظ علاقائی مروجہ زبان کے پڑھنے کو ملتے ہیں۔بہر حال اس کے ہندی سے فارسی اور فارسی سے ہندی میں کیے جانے والے تراجم بھی اس کے اردو قلم کار ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔
اورنگ زیب کا عہد عسکری حوالے سے تو بھرپور رہا لیکن قلمی آہستہ روی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔اس کا خطِ نسخ اور خطِ نستعلیق بہت اچھا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ سے دو قرآن مجید لکھ کر مکہ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ روانہ کیے تھے۔اس کے دربار میں علماء اور فضلا موجود رہتے تھے۔جن سے اس نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کروایا۔عالمگیر نے خود کو صرف عمدہ سپہ سالار ہی ثابت نہیں کیا۔قلم سے رشتہ بھی بحال رکھا۔اور اس ضمن میں اس کی قلمی کاوش رقعاتِ عالمگیری اور کلماتِ طیبات ادب میں وقیع اضافہ ہیں۔رقعاتِ عالمگیری میں اردو کے اکثر الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔کلماتِ طیبات میں بھی یہی صورت ہے۔اپنے فرزند محمد اعظم کو لکھتے ہیں کہ مزہ کھچڑی بریانی سمادر مستان یادمی آید(۱۸) اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گرائمر کی پہلی کتاب'تحفتہ الہند' بھی لکھی گئی یہ کتاب عالمگیر کی فرمائش پر لکھی گئی تھی لیکن زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی۔البتہ اس کے قلمی نسخوں کی موجودگی کے بارے میں مورخین نے آگاہی دی ہے۔اس کتاب کے مصنف کا نام بعض نسخوں پر اعظم شاہ اور بعض پر معزالدین جہاندار لکھا ہوا بتایا جاتا ہے۔مورخین نے یہ آگہی بھی دی ہے کہ مصنف نے خود اس کا دیباچہ تحریر کیا ہے۔دیباچہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کتاب شہنشاہ اورنگ زیب کے کہنے پر اس کے شہزادوں کو اردو زبان کے قواعد سکھانے کے لیے لکھی گئی تھی۔(۱۹)

مغلیہ عہد میں اردو اور عساکر پر بات کرتے ہوئے جنوبی ہند پس منظر میں چلا گیا حالانکہ جنوبی ہند میں ہی اردو زبان کو ارتقا ملا اور یہ زبان ابھر کر سامنے آئی اور ظاہر ہے کہ وہاں کے حکمران بھی عسکری سپہ سالار تھے انھوں نے فوجوں کی کمان بھی کی اور اردو زبان کے فروغ میں اہم کردار بھی نبھایا۔جنوبی ہند میں مغلوں سے پہلے اس زبان نے اپنا تشکیلی سفر شروع کر دیا تھا۔جب علاؤالدین خلجی (عہد حکومت ۱۲۹۵۔۱۳۱۶ء) نے ملیبار تک کے علاقے اپنے

زیرِنگیں کر لیے تو پنجاب اور نواحِ دہلی پر مشتمل اس کے عسکری وہاں اردو زبان کی شروعات کا باعث بنے۔ محمد تغلق نے جب دیوگڑھ کو دولت آباد کے نام سے دارالخلافہ بنایا تو بے شمار عسکریوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ یوں دولت آباد بلکہ پورے دکن میں ان لوگوں کے رسوخ کے ساتھ ان کی زبان نے بھی شدت سے دکن کی زبان کو متاثر کیا۔ تغلقوں کے بعد آنے والے حکمرانوں کا تعلق بھی بنیادی طور پر دہلی سے تھا لہٰذا بہمنی سلطنت کے عہد میں دکھنی زبان رائج ہوگئی اور اسے سرکاری زبان کا درجہ ملا۔ دکھنی زبان اردو کی بنیادی شکل تھی۔ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے گجرات اور دکن میں یہ صورت حال دیکھنے میں آئی کہ وہاں کے حکمرانوں نے جب ہندی/ اردو کو اپنایا تو پورے ملک میں اور پھر ملحقہ ریاستوں میں اس زبان کو خوش آمدید کہا گیا یہاں تک کہ ملحقہ ریاستوں سے نکل کر گردوپیش میں بھی اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ سید ہاشمی فرید آبادی ایک تعجب کے ساتھ رقم طراز ہیں کہ فارسی پر اس کا غلبہ قابلِ تعجب ہے کیونکہ ان دنوں شمالی ہند سے زیادہ ممالکِ دکن ایرانی اثرات کا مہبط بنے ہوئے تھے۔ علمائے عراق و عجم کے قدم اور ایران کے عقائد و شعائر دکنی درباروں پر چھا گئے۔ شاید صوفی بزرگوں کی کرامت تھی کہ وہاں کے بادشاہوں تک کو ہندی کا مرید کر دیا۔(۲۰)

جنوبی ہند میں اردو کو حکمرانوں کی پشت پناہی حاصل رہی اور عسکریوں کے درمیان اسے خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا یہاں تک کہ اورنگ زیب کے عہد میں یہ علاقے دوبارہ شمالی ہند کے زیرِ نگیں آ گئے۔

شمالی ہند اور جنوبی ہند کی دھرتی کے علاوہ ایک تیسرا عنصر بھی اردو زبان کی تشکیل اور ترقی کا سبب بنا۔ اور یہ عنصر یورپین عساکر کی ہندوستان میں آمد تھی۔ پرتگالی، ولندیزی انگریز اور فرانسیسی یکے بعد دیگرے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ جن میں انگریز دیگر قوموں پر سبقت لے گئے اور ہندوستان پر حکومت کرنے لگے۔ ان اقوام نے اپنے اپنے دور میں اپنے سپاہیوں کو یہاں کی مقامی زبان کی طرف یعنی اردو کی طرف راغب کیا۔ انگریزوں تو اپنے عسکریوں کے لیے اردو کا جاننا ضروری قرار دیا۔ اس کے بعد اسے دفتری زبان قرار دے کر اس کو اس کا جائز مقام دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اورنگ زیب کے بعد مغل کمزور ہونے لگے۔ ہندوستان میں کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں راجوں، مہاراجوں اور سرداروں کے تحت وجود میں آنے لگیں۔ جس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا اور تمام حکمرانوں کو شکست دے کر اپنے تسلط میں کر لیا۔ جب ٹیپو سلطان پر فتح حاصل کی تو اطمینان کا سانس لیا اور ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کا افتتاح کرنے کے بعد اردو زبان کے فروغ میں تمام کوششیں صرف کر دیں۔ جس کے بعد اردو زبان پورے قد کیساتھ کھڑی ہونے کے قابل ہوگئی۔

حواشی:

۱۔ Bosworth , C.E et all, *The Encyclopedia of Islam,* (New Edition) Vol-v, E. J.Brill Laiden Netherlands 1986), p685

۲۔ عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ، اردو زبان کا تر کی عنصر، سہ ماہی، صحیفہ، لاہور، شمارہ ۶۲ (جنوری ۱۹۷۳ء)، ص ۱۸

۳۔ خاطر غزنوی، سرحد میں اردو شاعری کا ارتقاء، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۳، مرتبہ: پروفیسر فتح محمد ملک و دیگر (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۱۲

۴۔ فصیح اللہ، فصیح الملک سید، اردوئے فصیح (الہ آباد: مطبع نیشنل پریس، ۱۹۲۲ء)، ص ۳۲

۵۔ عین الحق فرید کوٹی، مغل شہنشاہوں کی ہندوی شاعری مشمولہ: ماہنامہ، ماہِ نو جلد نمبر ۳۳، شمارہ ۲ (فروری ۱۹۸۰ء): ص ۱۷

۶۔ ابوالقاسم مسرور، سید، سوجھ بوجھ کے ڈھائی انچھر، مشمولہ، ماہنامہ ساقی، دہلی، جلد ۲۰، شمارہ ۳ (ستمبر ۱۹۳۹ء): ص ۱۲

۷۔ عبدالحئی، مولانا حکیم سید، تذکرہ شعرائے اردو موسوم بہ گل رعنا (اعظم گڑھ: مطبع معارف، دوم ۱۳۵۳ھ)، ص ۹

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اول (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء)، ص ۵۸

۹۔ انوار ہاشمی، تاریخ پاک و ہند (کراچی: کراچی بک سنٹر، س ن)، ص ۲۸۰۔

۱۰۔ بنی پرشاد، تاریخ جہانگیر، مترجم: رحم علی الہاشمی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۱۰ء)، ص ۳۴۱۔

۱۱۔ نصیر حسین خان خیال و نواب سید ادیب الملک، مغل اور اردو (حیدر آباد دکن: ادارہ اشاعت اردو، ۱۹۳۳ء)، ص ۱۶

۱۲۔ عبدالغفور نساخ، مولوی، زبانِ ریختہ (لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۷۴ء)، ص ۴

۱۳۔ Grahame Bailey, *A History of Urdu Literature*(Lahore: Al Biruni ,1977), p10

۱۴۔ فارغ بخاری و رضا ہمدانی، خوشحال خان خٹک (اسلام آباد: لوک ورثہ اشاعت گھر، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۱۴۔

۱۵۔ فارغ بخاری، سرحد میں اردو، مشمولہ: پاکستان میں اردو، تیسری جلد، ایضاً ص ۳۔

۱۶۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، سندھ میں اردو (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۰ء)، ص ۸۵۔

۱۷۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصہ (کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۰۰۔

۱۸۔ عنایت الرحمٰن صدیقی، بریگیڈئر (ر)، اربابِ سیف و قلم (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء)، ص ۲۴۳۔

۱۹۔ اے حمید، اردو نثر کی داستان، (لاہور: شیخ غلام علی، س ن)، ص ۲۷۔

۲۰۔ سید ہاشمی فرید آبادی، اردو کی حقیقت تاریخ سے، مشمولہ، سہ ماہی اردو جلد ۳۲ شمارہ ۱، ۲ جنوری و اپریل، ۱۹۵۳ء، ص ۱۳۔

مآخذ

ابوالقاسم مسرور، سید۔ ''سوجھ بوجھ کے ڈھائی انچھر''، مشمولہ، ماہنامہ ساقی، دہلی، جلد ۲۰، شمارہ ۳ (ستمبر ۱۹۳۹ء)۔

انوار ہاشمی۔تاریخ پاك و ہند ۔کراچی:کراچی بک سنٹر،س ن ۔
اے حمید۔اردو نثر کی داستان۔لاہور،:شیخ غلام علی،س ن۔
بنی پرشاد۔تاریخ جہانگیر،مترجمہ رحم علی الہاشمی۔نئی دہلی:قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۲۰۱۰ء۔
جمیل جالبی،ڈاکٹر۔تاریخ ادب اردو،جلداول۔لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۸۷ء۔
خاطر غزنوی۔''سرحد میں اردو شاعری کا ارتقاء''،مشمولہ،پاکستان میں اردو ،جلد۳،مرتبہ پروفیسر فتح محمد ملک ودیگر اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان پاکستان،۲۰۰۶ء۔
سہیل بخاری،ڈاکٹر۔ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصہ ۔کراچی:مکتبہ اسلوب،۱۹۸۵ء۔
سید ہاشمی فرید آبادی۔''اردو کی حقیقت تاریخ سے''،مشمولہ،سہ ماہی اردو جلد ۳۲ شمارہ ۱،۲(جنوری واپریل،۱۹۵۳ء)۔
شاہدہ بیگم،ڈاکٹر۔سندھ میں اردو ۔کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،۱۹۸۰ء۔
عبدالحیٔ،مولانا حکیم سید۔تذکرہ شعرائے اردو موسوم به گل رعنا۔اعظم گڑھ:مطبع معارف،۱۳۵۳ھ۔
عبدالغفور نساخ،مولوی۔ زبانِ ریختہ ۔لکھنؤ:منشی نول کشور،۱۸۷۴ء۔
عنایت الرحمٰن صدیقی،بریگیڈئر(ر)۔اربابِ سیف و قلم۔اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۱۹۹۷ء۔
عنایت اللہ،ڈاکٹر شیخ۔''اردو زبان کا ترکی عنصر''،سہ ماہی،صحیفہ،لاہور،شمارہ ۶۲(جنوری ۱۹۷۳ء)۔
عین الحق فریدکوٹی۔''مغل شہنشاہوں کی ہندوی شاعری''،مشمولہ ماہنامہ،ماہِ نو جلد نمبر ۳۳،شمارہ ۲(فروری ۱۹۸۰ء)۔
فارغ بخاری ورضا ہمدانی۔ خوشحال خان خٹك ۔اسلام آباد:لوک ورثہ اشاعت گھر،۱۹۸۷ء۔
فارغ بخاری۔سرحد میں اردو،مشمولہ:پاکستان میں اردو،تیسری جلد،۔
فصیح اللہ،فصیح الملک سید۔اردوئے فصیح ۔الہ آباد:مطبع نیشنل پریس،۱۹۲۲ء۔
نصیر حسین خان خیال ونواب سید ادیب الملک۔مغل اور اردو۔حیدرآباددکن:ادارہ اشاعت اردو،۱۹۳۳ء۔

Bailey, Grahame. *A History of Urdu Literature*. Lahore: Al Biruni ,1977.

Bosworth , C.E et all, *The Encyclopedia of Islam,* (New Edition) Vol-v, E. Laiden: J.Brill, 1986.

☆☆☆☆☆